اقبال اور فنونِ لطیفہ

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن

اقبال

اور

فنونِ لطیفہ

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن

جملہ حقوق بحقِ پبلشر محفوظ

بار اوّل ۔
قیمت :۔ پندرہ روپے /15
ناشر :۔ شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجرانِ کتب ۔
ہیڈ آفس :۔ گئوکدل چوک ۔ سری نگر (کشمیر)
برانچ :۔ فتح کدل ۔ سری نگر (کشمیر)
فون نمبر 72081
مطبوعہ :۔ لاہوتی پرنٹنگ پریس ۔ دہلی 6

● "تلاشِ اقبال" سیریز ۱

• ——— اپنے عزیز اَن دیکھے دوست

"لطیف الزماں خاں"

کے

نام

جو ملتان (پاکستان) میں رہتے ہوئے بھی

میری روح اور میرے احساس سے

قریب ہیں۔

——— شکیل الرحمٰن

"تلاشِ اقبال سیریز" کی پہلی کتاب پیش کرتے ہوئے، میں مسرت ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کی تخلیقی بصیرت نے اِس موضوع کو ایک بار پھر تازہ بنا دیا ہے۔ "اقبال ۔ روشنی کی جمالیات" کی مقبولیت کے بعد یقین ہے "اقبال اور فنونِ لطیفہ" کو بھی پسند کیا جائے گا۔

مصنّف کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کام اپنے طلبہ کے لئے کیا ہے تاکہ انہیں کچھ نئی جہتوں کا احساس مل سکے۔ بلاشبہ مغربی اثرات سے کچھ پردے اور اُٹھتے ہیں اور علاّمہ کی "مذہبی حسّیت" کی اہمیت کا

احساس پہلی بار اس انداز سے ملتا ہے۔ ایک تخلیقی ناقد کی نظر ایک ساتھ بہت سی سچائیوں پر پڑتی ہے۔ "فنونِ لطیفہ اور اقبال" کے موضوع پر اس بصیرت افروز گفتگو کو پیش کرتے ہوئے ہمیں بے حد خوشی ہو رہی ہے۔

"تلاشِ اقبال" سیریز کی دوسری کتاب بھی ہم جلد پیش کر رہے ہیں، اس سیریز کی تمام کتابوں کے مصنف ڈاکٹر شکیل الرحمٰن ہی ہیں۔

—— پبلشرز

ترتیب

صفحہ صفحہ

● اقبالؔ اور فنونِ لطیفہ ۱۳ تا ۹۰

● فنونِ لطیفہ اور اقبالؔ (انتخاب) ۹۱ تا ۱۱۱

●

۰ اقبال اور فنونِ لطیفہ

• علّامہ اقبالؔ نے اپنی "ڈائری" میں لکھا ہے:

• "سائنس، فلسفہ، مذہب سب کے حدود ہیں، صرف فن لامحدود ہے!"

——— دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے:

• "شاعری میں منطقی سچائی کی تلاش بالکل بیکار ہے، تخیّل کا نصب العین حُسن ہے نہ کہ سچائی، اس لئے کسی فنکار کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اُس کی تخلیقات میں سے وہ اقتباسات پیش نہ کیجئے جو آپ کی رائے میں سائنسی حقائق پر مشتمل ہوں!"

اُن کی "ڈائری" میں یہ خوبصورت جملہ بھی ملتا ہے:

• "فن ایک مقدس جھوٹ ہے!"

اِن جملوں سے فن یا آرٹ کے متعلق علّامہ کے اعلیٰ خیالات کا پتہ چلتا ہے، اس قسم کے خیالات کی وضاحت اُن کی چند اور اہم تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ "ڈائری" میں ایسی تحریروں کے اختصار میں بڑی جامعیت ہے، مثلاً

• "رُوحِ عالم اپنی باطنی زندگی کی مختلف صورتوں کو علامتوں میں پوشیدہ رکھتی ہے، کائنات ایک بڑی علامت کے سوا کچھ بھی نہیں، لیکن وہ ہمارے لئے ان علامتوں کی ترجمانی کی زحمت کبھی گوارا نہیں کرتی، یہ شاعر کا فرض ہے کہ وہ ان کی ترجمانی کرے اور بنی نوعِ انسان پر اُن کے اسرار کو منکشف کرے،

اس سے ظاہر ہوگا کہ شاعر اور رُوحِ عالم
ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکہ
شاعر اُن اسرار کی نقاب کشائی کرتا
ہے جسے رُوحِ عالم پوشیدہ رکھتی ہے۔"

علامہ اقبال کی نظم کی مقبولیت کا اندازہ منطقی صداقتوں سے بھی کرنا نہیں چاہئے چنانچہ اپنی "ڈائری" کے ایک صفحے پر تحریر فرماتے ہیں:

"کسی نظم کی مقبولیت اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ اس میں منطقی صداقت کی مقدار کیا ہے۔ "گولڈا سمتھ" کی "ویران گاؤں" بہت مقبول ہے لیکن پھر بھی یہ نظم سائنسی غلطیوں اور ناقص معاشی استدلال سے بھری ہوئی ہے۔"

اسی طرح وہ الفاظ یا اظہار کے حُسن کو بھی اہم تصور فرماتے ہیں۔ حافظ کے متعلق اپنی "ڈائری" میں

لکھا ہے کہ " ہیروں کی طرح تراشیدہ الفاظ میں حافظ نے بلبل کی حلاوت آفریں لاشعور کو سمو دیا ہے "
تجربوں کے حُسن، لفظوں کے حُسنِ انتخاب اور آوازوں کی مترنم غنائی کیفیتوں کی وحدت کا یہ احساس اقبال کے گہرے جمالیاتی شعور اور فنونِ لطیفہ اور خصوصاً شاعری کے متعلق اُن کے جمالیاتی تصوّر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

اِن باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال فنونِ لطیفہ کی جمالیاتی اقدار پر گہری نظر رکھتے تھے اور اپنے طور پر ان اقدار کی سچائیوں کو انہوں نے جس طرح سمجھا تھا سرسیّد، حالی اور محمد حسین آزاد نے بھی نہیں سمجھا تھا، آرٹ اور اخلاق اور آرٹ اور زندگی کے رشتے کے متعلق اُن کا زاویۂ نگاہ محدود نہیں تھا، وہ تخلیق کے پُراسرار عمل کو ایک بڑے فنکار کی طرح محسوس کر رہے تھے، سائنس، فلسفہ اور مذہب کے حدود کو پہچانتے تھے اور فنونِ لطیفہ کی جمالیات کی لامحدودیت پر اُن کی گہری نظر تھی

اور اسے شدّت سے محسوس کرتے تھے۔
شاعری میں منطقی سچائی کی تلاش کو غیر ضروری
سمجھتے ہوئے انہوں نے تخیل کے نصب العین یعنی
جلال و جمال کی اہمیت کا احساس عطا کیا ہے۔
پُر اسرار تخلیقی عمل میں انہوں نے تخیل کے خوبصورت
عمل کو اہمیت دی ہے اور سائنسی اور منطقی حقائق
کی روشنی میں آرٹ کے جلوؤں کو دیکھنا پسند نہیں
کیا ہے، کائنات کی علامتوں کے اسرار کی نقاب
کشائی در اصل علامتوں کی نئی جمالیاتی تخلیق ہے۔

فنونِ لطیفہ یا آرٹ کی تشریحیں جس طرح بھی
ہوں، اِس بنیادی سچائی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا
کہ آرٹ ایک ایسے تخلیقی عمل کی جمالیاتی صورت ہے
کہ جس میں جمالیاتی اور حسّی پیکر، انسان کے عمدہ ترین
اور افضل ترین تصوّرات اور احساسات کے ساتھ
عمدہ ترین اور افضل ترین خوابوں کو پیش کرتے ہیں۔
بظاہر یہ بات جتنی سادہ اور صاف نظر آئے، یہ
حقیقت ہے کہ فنونِ لطیفہ میں سچی انسان دوستی

یا "ہیومنزم" کا مسئلہ سب سے زیادہ الجھا ہوا ہے اور انتہائی پیچیدہ مسئلہ ہے اور آرٹ کی جمالیات کے سامنے اس سے بڑا کوئی اور سوال نہیں ہے۔

کلامِ اقبال میں علامہ کی سچی بصیرت اس بات کی غماز ہے کہ وہ ایک بہت بڑے انسان دوست (HUMANIST) اور انسان کی اعلیٰ اور افضل ترین اقدار اور صفات پر مکمل اعتماد رکھنے والے فنکار ہیں، اُن کی "ہیومنزم" ماضی کی اعلیٰ روایات، انسان کے پورے سفر کی بصیرت، اسلام کی تیز تر روشنی، یورپ کے افکار و خیالات کی معانی خیزی اور ایشیا کی تہذیبی روایات کے جادو کا خوبصورت نتیجہ ہے۔ سترہویں صدی کی ہوش مندی، اٹھارویں صدی کی عقل پسندی، اُنیسویں صدی کے تجربوں کی کشادگی بیسویں صدی کی آرزوؤں کے درد اور انسانی معاشرے کی شکست و ریخت سے اُن کے ذہن کا گہرا رشتہ رہا ہے۔ "صاحبِ نظرے" "خود گرے" "خود شکنے" "خود نگرے" کا شدید تر احساس جو ان کی شاعری

سے ابھرا ہے وہ اِسی شعور اور انسان دوستی یا "ہیومنزم" کے ہمہ گیر تصوّر کا نتیجہ ہے ——— انسان کیا ہے؟ اِس دھرتی پر اُس کا مقام کیا ہے؟ فطرت اور سماج کے تعلق سے اس کے عمل کا دائرہ کس حد تک پھیلا ہوا ہے؟ فرد پر کس قسم کی ذمہ داریاں ہیں اور فرد کے لئے سماج کو کیا کرنا ہے، فرد کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر کس حد تک ضروری ہے ——— ؟ ایسے جانے کتنے سماجی اور نفسیاتی پہلو جو اب تک "سماجیات" "فلسفہ" اور "سیاسیات" کے موضوعات بنے رہے ہیں "نئی جمالیات" کے موضوع بنے ہیں، "نئی جمالیات" نے جب سے انہیں "جمالیات" کے دائرے میں جگہ دی ہے، آرٹ اور فنونِ لطیفہ کی جمالیات اور پیچیدہ لیکن حد درجہ معانی خیز بن گئی ہے۔ "ہیومنزم" نے "نئی جمالیات" کے سامنے جانے کتنے سوالات رکھ دیئے ہیں۔ فلسفہ، سماجیات اور سیاسیات کے یہ بنیادی سوالات اور پہلو، "جمالیات" کے دائرے کو وسیع تر بھی کرتے ہیں اور خود جمالیاتی سوالات اور پہلو بن کر اُبھرتے ہیں۔ "شخصیت" کی تشکیل اور تعمیر اور "فرد کے جمالیاتی

اظہار کی آزادی کے مسائل " نئی جمالیات " کے تازہ مسائل ہیں اور ان سے ماضی اور ماضی کے فنکاروں کے تجربوں کو ایک نئے انداز سے دیکھنے کا بہتر جمالیاتی شعور بھی حاصل ہوا ہے۔ " نئی جمالیات " فنونِ لطیفہ میں انسان دوستی کے لطیف اور خوبصورت جذبات کو اہمیت دیتی ہے اور " ہیومنزم " کی جمالیاتی صورت کو " سیاست "، فلسفہ، منطق، نفسیات اور سماجیات کے رشتوں سے پہچانتی ہے۔ علامہ اقبال کے آرٹ کے تصور میں " ہیومنزم " سب سے بڑی قدر ہے اور اُن کے فنونِ لطیفہ کے جمالیاتی تصور میں اسے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسے اب تک " اوپری سطح " پر پہچاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسے " جمالیاتی قدر " سمجھ کر دیکھا نہیں گیا ہے۔ " عشق " اور " خودی " کو عموماً فلسفے کی تاریخ کے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور انہیں محض فلسفیانہ اصطلاحوں سے تعبیر کیا گیا ہے، اُن کی فلسفیانہ تشریحیں کی گئی ہیں۔ " نئی جمالیات " اقبال کے آرٹ کے تصور کو جمالیاتی تصور سمجھتے ہوئے " عشق " اور " خودی " کو جمالیاتی اقدار سے تعبیر کرنا پسند کرے گی اُن کی

"ہیومنزم" جو اُن کے فن میں ایک ہمہ گیر جمالیاتی قدر بن گئی ہے اور اُن کی ناقدانہ بصیرت جو اُردو ادب کو بہت ہی واضح طور پر فنونِ لطیفہ کا ایک تازہ جمالیاتی تصوّر عطا کرتی ہے "نئی جمالیات" کا موضوع بنے گی۔ "عشق" اور "خودی" اُن کی اسی "ہیومنزم" کی تازہ اور نئی جمالیاتی صورتیں ہیں، اسی جمالیاتی بصیرت کی وجہ سے اُن کے فن میں نئے فارم خلق ہوتے ہیں، جذباتی کیفیتوں کی تازگی جنم لیتی ہے اور نیا آہنگ پیدا ہوتا ہے۔ "شخصیت" کی باطنی تشکیل، انفرادیت، کی اُٹھان اور شخصیت کے جمالیاتی اظہار کے گہرے مطالعے سے ہی "اقبالؔ" کی اُس "ہیومنزم" کی پہچان ہوگی جو اُن کے آرٹ اور فنونِ لطیفہ کی بنیادی جمالیاتی قدر ہے ————!

علامہ اقبالؔ جب فن کو لامحدود کہتے ہیں، تخیل کا نصب العین "حُسن" بتاتے ہیں، اس حقیقت کا احساس دیتے ہیں کہ فنونِ لطیفہ اسرارِ فطرت کی نقاب کشائی ہے تو دراصل وہ اس سچائی کا احساس عطا کرتے ہیں کہ تخلیق انسان کی فطرت اور اس کے احساسات اور جذبات کا افضل ترین جمالیاتی اظہار

ہے اور تخلیق عمل کے لمحوں میں، اور تخلیق کے ظہور پذیر
ہونے کے بعد جو سچّی بصرت حاصل ہوتی اور جو سچّی
مسرت ملتی ہے وہ تمام بصیرتوں اور مسرّتوں سے
عظیم تر ہے!

●

● اقبالؔ نے جب بھی فنونِ لطیفہ پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ تن آسانی، خود فراموشی اور غلامانہ ذہنیت کی مخالفت کی ہے، انہوں نے انہیں فنکار اور فنونِ لطیفہ دونوں کے لئے ہمیشہ سمِ قاتل سمجھا ہے۔ "نئی جمالیات" اس سچائی کا مطالعہ بڑی دلچسپی کے ساتھ کرنا پسند کرے گی، ایسی مخالفت میں اُن کی "ہیومنزم" بہت واضح طور پر متحرک نظر آتی ہے، اُن کے سامنے اُردو ادب کا وہ پہلو بھی تھا جو تن آسانی، خود فراموشی اور درباری اور غلامانہ ذہنیت کی پیداوار تھا اور ایشیا اور یورپ کا وہ آرٹ بھی تھا جس میں روحانی

قوّت، خودی، اخلاقی اقدار، اور آزاد فکر کی کمی تھی۔
آرٹ یا فنونِ لطیفہ کے متعلق اپنا زاویۂ نگاہ خلق
کرتے ہوئے وہ ایک طرف اپنی روایات اور
حالات سے قریب تر تھے، دوسری طرف قدیم
اور قدیم تر انسانی تخلیقات سے ذہنی رشتہ قائم
کئے ہوئے تھے جہاں "ہیومنزم" ایک بنیادی مسئلہ
تھی تخلیق کا ——— اور قدیم فنکاروں نے اپنے
جمالیاتی پیکروں میں اس جمالیاتی قدر کو مختلف انداز
اور مختلف زاویۂ نگاہ کے ساتھ پیش کیا تھا۔
"انسان" ایک بنیادی موضوع بن کر مختلف انداز
میں ہمیشہ پیش ہوتا رہا ہے اور اُس کی شخصیت کا
جمالیاتی اظہار ہر دَور میں دلچسپی کا مرکز بنا رہا ہے۔
اقبال فنونِ لطیفہ اور زندگی کے گہرے اور بامعانی رشتے
کے ایک سب سے بڑے علمبردار ہیں جن کی نظر
اخلاق، آزادی، جذبۂ عمل، قوّت وسطوت اور احساسِ
خودداری وغیرہ کے متعلق محدود نہیں بلکہ وسیع اور
پھیلی ہوئی ہے، تخلیق کے لئے انہوں نے "عشق" اور
"جنون"، "نگاہِ شوق" "ذوقِ نظر" "سوزِ حیات" "جمال
وزیبائی" "صاف گوئی" اور "روح کی قوّت" کا ذکر کیا ہے،

یہ سب باطنی خصوصیات ہیں جو "نئی جمالیات" کا موضوع بنیں گی۔ اقبال نے اس سچائی کو "مقدس جھوٹ" کہا ہے، عشق و جنون، نگاہِ شوق، ذوقِ نظر، سوزِ حیات، جمال و زیبائی اور رُوح کی قوّت سے یہ کائنات خلق ہوتی ہے اس میں اتنا تحرک ہوتا ہے کہ وہ قاری کو اپنے سینے سے کھینچ لیتی ہے، اس میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ ہم اُس کی طرف بے اختیار بڑھتے ہیں۔ اُس کے ذرّے ذرّے سے رنگوں کا طوفان اُٹھتا ہے، اس کے تحرک سے نغموں کی پُراسرار فضا قائم ہو جاتی ہے اور اُس کے پیکروں اور علامتوں میں زندگی کی روشنیاں نظر آتی ہیں ——— "تخلیق" ایک غیر معمولی کارنامہ ہے اس لئے کہ زندگی کے تعلّق کی سچّی بصیرت کا پیدا ہونا آسان نہیں ہے، "عشق" اور جنون، نگاہِ شوق" ذوقِ نظر اور سوزِ حیات سے ہی فنکار کی پہچان ہوتی ہے۔ زندگی کے شدید تر احساس سے کرب اور بے چینی کا جلوہ بن جانا غیر معمولی

بات ہے۔

گیٹے کی تعریف کرتے ہوئے اُنہوں نے "فنونِ لطیفہ" یا آرٹ کی منفرد خوبصورت کائنات کی طرف اشارہ کیا ہے اور بڑی عمدہ بات کہی ہے کہ:

• "گیٹے نے ایک عام افسانے کو منتخب کیا اور اس کو اُنیسویں صدی کے پورے تجربے ہی سے نہیں بلکہ نسلِ انسانی کے تمام تر تجربے سے معمور کر دیا، ایک عام افسانہ کا، انسان کے اساسی تصوّر کی منظم اظہار میں ڈھل جانا الہامی ہنرمندی سے کم نہیں، یہ اتنی ہی خوبصورت ہے جیسے کہ بے ہیئت منتشر مادّے سے ایک حسین کائنات کی تخلیق!"

اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال آرٹ کو خالص دستاویزی پیشکش نہیں سمجھتے، محض

"تصویر کشی" یا "عکاسی" اُن کے نزدیک آرٹ نہیں ہے، فنکار کسی "حقیقت" سے متاثر ہوتا ہے اور اُسے موضوع بناتا ہے تو اُس کی صورت وہ نہیں ہوتی جسے ہم دیکھ چکے ہیں یا جسے خود فنکار نے دیکھا ہے۔ "نگاہِ شوق" سے یہ صورت پیکروں اور علامتوں میں تبدیل ہو جاتی ہے، انسانی فطرت کا افضل ترین اظہار بن جاتی ہے، ایک مقدّس جھوٹ اور ایک اسرار یا "مسٹری" (MYSTRY) بن کر سامنے آتی ہے، "تکنیک" کمپوزیشن، رنگ، لطیف تر وضاحت، "ہارمونی" اور تکمیل کی فنکارانہ صورت میں یہ ایک نئی شکل، ایک نیا "جلوہ" بن جاتی ہے۔ اقبال نے "الہامی ہنرمندی" سے پورے تخلیقی عمل اور اظہار کی صورت کی طرف خوبصورت اشارہ کیا ہے۔ جدید مارکسی نقادوں نے، جب "کارل مارکس" کے اس خیال پر غور کرنا شروع کیا کہ قوانینِ حُسن کے مطابق انسان کا خلّاقانہ ذہن عمل کرتا ہے تو سوویت یونین کے بعض نئے

نقّادوں کے تجزیاتی ذہن نے جدید اور نئی جمالیات کی اس سچائی کو قبول کرنا شروع کیا ہے کہ آرٹ میں "حقیقت" ـــــ احساس، تخیل، جذبہ اور تلازموں میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور تخلیقی عمل میں فنکار اپنی نفسی اور حسّی کیفیتوں کے ساتھ متحرک رہتا ہے۔ "حقیقت" تصویر کشی یا نقّالی یا محض عکّاسی نہیں ہے، فنکار کا "امیج" SUBJECTIVE COMPLEX کا نتیجہ ہے اور اسی سے ایک نئی کائنات کی تخلیق ہوتی ہے! ـــــ

اقبال نے فنونِ لطیفہ کی جمالیاتی اقدار کو اپنے طور پر صرف سمجھا نہیں تھا بلکہ ان کی وضاحت بھی کی تھی اور اپنی شاعری میں اپنے جمالیاتی تصوّر کے ساتھ اُبھرے بھی تھے! گیٹے کے متعلق انہوں نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اُس میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ فنکار کے اُس ذہن کو اہمیت دیتے ہیں جو عمیق گہرائیوں میں اُتر کر انسان کے تمام بہتر تجربوں سے رشتہ قائم کر لیتا ہے اور سچائی کو ایک بہتر جمالیاتی صورت عطا کرتا ہے، پرانا فسانہ یا قدیم تجربہ فنکار کے تخلیقی

ذہن سے قریب تر ہو جاتا ہے تو وہ صرف اپنے عہد کا جلوہ نہیں بنتا بلکہ انسان کے پورے سفر کی داستان کا جلوہ بن کر اس داستان کا ایک حصہ بن جاتا ہے، ایک جمالیاتی تجربہ، جس سے زیادہ سے زیادہ انبساط حاصل ہوتا ہے، اس میں جلوہ صد رنگ کی وجہ سے معانی خیز پہلو پیدا ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آرٹ کو فلسفے پر فوقیت دی ہے، ان کا یہ خیال توجہ چاہتا ہے :-

"______ فلسفہ انسانی تعقل کی برفیلی رات میں کانپتا ہوا جوہر ہے، شاعر نمودار ہوتا ہے اور اُن کو معروضیت کی حرارت بخشتا ہے۔"

• اقبال کے نزدیک تخلیقی عمل کے لئے زندگی اور سچّائیوں کے شدید احساس کے تعلق سے اُس "عشق" کی ضرورت ہے جس کی مستی سے پیکرِ گل تابناک بنتا ہے، جذبۂ عشق ہی سے فنکار اپنے خونِ جگر کے آرٹ کو معجزہ بنا دیتا ہے۔ "مسجدِ قرطبہ" کی تخلیق میں اُنہیں "عشق" کی یہی مستی نظر آئی اور یہی خونِ جگر نظر آیا، کہتے ہیں:

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرفِ صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!

اسی عشق سے وہ "جنون" پیدا ہوتا ہے جس سے "نگاہِ شوق" "اہرامِ مصر" "مسجدِ قرطبہ" اور "تاج محل" کی تخلیق کرتی ہے۔ فنکار میں "نگاہِ شوق" پیدا ہو جائے تو یہ کائنات اُس سے اپنا ضمیر چھپا نہیں سکتی، اُن کی معروف نظم "نگاہِ شوق" اس سچائی کو اس طرح سمجھاتی ہے:

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ ذرّہ ذرّہ میں ہے ذوقِ آشکارائی
کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جبّاری
اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی
اسی نگاہ سے ہر ذرّہ کو جنوں میرا
سکھا رہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی
نگاہِ شوق میسّر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی!

فنونِ لطیفہ کے "جلال و جمال" کے لئے "نگاہِ شوق" میں جلال و جمال کا پیدا ہونا ضروری ہے،؛ اپنے افکار کے سفر ہی سے وہ "وژن" پیدا ہوتا ہے جس

سے کائنات کے جلال و جمال کے اسرار ظاہر اور نمایاں ہوتے ہیں۔ علامہ اِس نگاہ اور اِس نظر کا احساس طرح طرح سے عطا کرتے ہیں، مثلاً

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منور ہوں ترے نورِ سحر سے
خورشید کرے کسبِ ضیا تیرے شرر سے
ظاہر تری تقدیر ہو سیمائے قمر سے
دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے

اقبال کے "تجزیاتی فلسفیانہ ذہن" نے حُسن کو مختلف صورتوں میں پایا ہے، حُسن کی دریافت اور پہچان کا یہ سفر دلچسپ بھی ہے اور اُن کے بے چین اور مضطرب ذہن کا غماز بھی، اگر تاریخی ترتیب میں اُن کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ایک بڑے "جی۔ نی۔ یس" (GENIUS) کا ذہن سفر کرتا ہوا اور سچائیوں

کا تجزیہ کرتا ہوا نظر آئے گا۔" لہٰذا "مغل جمالیات" کے ہمہ گیر پسِ منظر میں حُسن کے متعلق مسلمان صوفیوں کے تصوّرات اُبھرتے ہیں۔ ہندی، یونانی اور وسطِ ایشیائی افکار و خیالات کی آمیزش سے خالقِ کائنات، حُسن، حُسنِ کائنات، زندگی اور فرد کے متعلق صوفیانہ تصوّرات سامنے آتے ہیں۔ حُسن کے افلاطونی نظریہ کو فلاطونس (PLOTINUS) نے تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھا اور پھر ابن سینا اور ابن عربی وغیرہ نے اپنے نقطۂ نگاہ سے اِس کا جائزہ لیا۔ صدیوں کے سفر میں مشرقی شاعری کو اِس تصوّر نے شدّت سے متاثر کیا۔ روایتی اور کلاسیکی شاعری میں حُسن کا یہ تصوّر، جسے "افلاطونی تصوّر" کے نام سے پہچانا جاتا ہے، ایک بنیادی قدر بن گیا، غالب کے عظیم تر رومانی ذہن نے اس تصوّر میں بڑی وسعت، گہرائی، تہہ داری اور معنویت پیدا کردی اور اپنے تخلیقی ذہن سے اسے طرح طرح سے انسانی نفسیات سے قریب تر کردیا۔

سرسیّد کی تحریک کی شدّت اور حالی اور چراغ علی کے اخلاقی تصوّرات بھی اِسی دائرے کے اندر ہیں، اِس دور کے انقلابی خیالات بھی اِس تصوّر کی شدّت کو کم نہ کر سکے بلکہ اسی کے اندر گردش کرتے رہے۔ مغرب میں فنونِ لطیفہ میں جو رومانی تحریکیں چلیں اور فنونِ لطیفہ کی جمالیات کے جو نئے تصوّرات پیدا ہوئے، اٹھارویں صدی کے آخر سے انیسویں صدی کے درمیانی عہد تک ان کی روشنی دُور دُور تک پھیل گئی، گیٹے، شیلر، ہرڈر، شلیگل (جرمنی) روسو، ہیگو اور لامارٹائن (فرانس) ولیم بلیک، ورڈسورتھ، اسکاٹ، شیلے، براؤننگ، کیٹس اور باٹرن (انگلستان) وغیرہ کی رومانیت اور اُن کے جمالیاتی تصوّرات نے شدّت سے متاثر کرنا شروع کیا۔ جانے کتنی روایتی صورتوں اور تجربوں کا احساس جاتا رہا، حُسن کے متعلق نئے تصوّرات سامنے آئے، احساس، جذبہ، اور تخیّل کی اہمیت کا احساس

نئے انداز میں جاگا، "نو افلاطونی" تصورات میں کشش محسوس ہوئی۔ "سنسکرت" اور "فارسی" ادبیات کی رومانیت اور جمالیاتی قدروں سے جذباتی اور ذہنی رشتے کا احساس پیدا ہوا۔ حافظ اور عمر خیام ——— اور 'غزل'، تینوں، کلاسیکی اقدار کی علامتیں بن گئے، اردو کے فنکاروں نے اس مغربی رومانیت سے جو گہری دلچسپی لی ہے اس کا حال ہمیں معلوم ہے۔ طالب علمی کے زمانے سے اقبال کا ایک ذہنی رشتہ، مغربی رومانیت سے قائم ہو چکا تھا، فطرت کے حُسن سے اُن کی گہری دلچسپی کا اظہار اُن کی ابتدائی شاعری میں بڑی شدت سے ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حُسنِ فطرت کے رنگین طوفان کے علاوہ اِس کائنات میں اور کچھ نہیں ہے۔ یورپ کا قیام اُن کی زندگی کا بہترین تجربہ بن گیا، میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اُن کے بنیادی تصور "خودی" کا رشتہ "انقلابِ فرانس" کے بعد اُن تصورات کی تاریخ سے

بہت ہی گہرا ہے جو "انفرادیت" ——————
(INDIVIDUALISM) اور "رومانی انفرادیت"
(ROMANTIC INDIVIDUALISM) کی
صورتوں میں اُبھرا ہے۔ ضرورت ہے کہ اقبالؔ
کا مطالعہ کرتے ہوئے اِس فکری پس منظر کا
تجزیہ کیا جائے، یورپی تہذیب و تمدّن پر
اِن تصوّرات کے گہرے اثرات ہوئے
ہیں، "انفرادی سیاسی لیڈرشپ" ——————
(INDIVIDUAL POLITICAL LEADERSHIP)
کی مغرب میں ایک بڑی تاریخ رہی ہے، اٹھارویں
صدی میں روسوؔ کی "ایغویت" (EGOTICISM)
کے بعد کانٹؔ، نطشےؔ، ہیگلؔ، شوپنہارؔ اور
کارلائلؔ نے اِس "ایغویت" کو نمایاں کیا،
فطرت اور انسان، سماج اور فرد اور جمہوریت
اور فرد کے تصوّرات کو نظرانداز نہیں کیا
جانا چاہیئے۔ "انفرادی لیڈرشپ" یا "انفرادی
سیاسی لیڈرشپ" کی تحریک کے زیرِ
اثر جو "بائیوگرافی" لکھی گئی ہیں اُنہیں بھی پیشِ
نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اِس کے ساتھ

ہی دنیا کے بڑے المیہ واقعات سے شناخت (IDENTIFICATION) کا ایک بڑا دَور مغرب میں شروع ہوا۔ "آدم" حضرت عیسیٰ" اور سینٹ پال سے فرد کو اِس طرح پہچانتے کی کوشش کی گئی کہ من و تو کا فرق ہی نہ رہا، جرمن مابعدالطبیعات میں "خودی" "میں" یا "NESS—ا" وغیرہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ بھی توجہ طلب ہے۔ اقبالؔ پر بلاشبہ ان کے اثرات ہوئے ہیں، یورپ میں رہتے ہوئے، مابعدالطبیعات، فلسفہ، منطق، نفسیات، عمرانیات اور معاشیات سے اتنی گہری دلچسپی رکھنے والا فنکار خود کو ان سے دُور نہیں رکھ سکتا تھا، اقبالؔ کی "تصوّریت" "مثالیت" اور "رومانیت" ان سے یقیناً متاثر ہوئی ہے اور اُن کے فلسفیانہ تجزیاتی ذہن نے اُنہیں یقیناً قریب تر رکھا ہے۔ ۱۷۷۵ء سے "رومانی انفرادیت" (ROMANTIC INDIVIDUALISM) کے تصوّر کو عروج حاصل ہوا۔ "اذیت برداشت کرنے والا" (THE SUFFERER) "سرکش

یا باغی" (THE REBEL) اور "آزاد عورت" (THE LIBRATED WOMEN) کے تصوّرات سامنے آئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اقبال پہلے دو تصوّرات سے یقیناً شدّت سے متاثر ہوئے ہیں، وہ اپنی شاعری میں ایک "رومانی انقلابی شاعر" "ایک رومانی اذیت برداشت کرنے والے" اور "ایک "رومانی خواب دیکھنے والے" (ROMANTICDREAMER) اور "رومانی تصوریت پسند یا مثالیت پسند" (ROMANTIC IDEALIST) کی حیثیت سے ابھرتے ہیں۔ اُنیسویں صدی کے درمیانی عہد ہی سے مغرب میں رومانی تحریک نے نئے رجحانات کو جنم دینا شروع کر دیا تھا۔ براؤننگ کی شاعری کی شدّت نے ایک نئے رجحان کو پیدا کیا، اِسی طرح کارلائل کی "ہیرو ورشپ" نے ایک نئے رجحان کو جنم دیا۔ علمِ نفسیات، اور "سماجی نفسیات" نے بھی فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی تھیں، ایچ۔ جی۔ ویلس کی تخیل نگاری نے زمان و مکان کی تسخیر کو دلچسپ بنا رکھا تھا۔

جارج برناڈ شا (SHAW) نے 'فرد' کی قوّت اور حرارت کی اہمیت کا احساس گہرا کیا اور "جولیس سیزر" "نپولین" اور دوسرے افراد کو 'فرد' کی طاقت اور قوّت کا بہترین مظہر بنا کر پیش کیا، کانٹ (KANT) کی رومانی مابعدالطبیعات نے فرد کی 'انا' اور خواہش اور حُسن کے متعلق خوبصورت تصوّرات پیش کئے، گیٹے نے حُسن اور عشق کو ایک دوسرے میں جذب کر رکھا تھا۔ مارکس کی جدلیاتی مادّیت نے فلسفے میں ایک نئے باب کو کھول کر رکھ دیا۔ اقبال نے جرمنی میں اِس حقیقت کو بڑی شدّت سے محسوس کیا تھا کہ نٹشے کا "سوپرمین" (SUPERMAN) ہر اُلجھے ذہن پر حاوی ہے۔ برگساں کے وقت کے تصوّر نے اقبال کو شدّت سے متاثر کیا، سگمنڈ فرائیڈ اور ایڈلر کے تصوّرات بھی اپنی جگہ بنا چکے تھے ——— ! اِن باتوں کے ساتھ اس سچّائی کو بھی پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ "تاریخ اسلام" قرآنِ حکیم،

اور "سیرت پاکؐ" کا مطالعہ علاّمہ نے بڑے انہماک نہایت خلوص اور محبّت اور احترام کے ساتھ کیا تھا، کائنات، خالق اور مخلوق وغیرہ کے متعلق اور خصوصًا فرد کی تخلیقی صلاحیتوں اور خالقِ کائنات کے ساتھ اُس کے باطنی رشتوں پر اُنہوں نے بڑی سنجیدگی سے غور کیا تھا، اُن کی "مذہبی حسّیت" غیر معمولی بن گئی تھی، فرد کی آزادی، کائنات کی تسخیر، 'فرد' کی تخلیقی صلاحیتیں، زمان و مکان، فرد اور جماعت وغیرہ جیسے موضوعات اُن کے سامنے تھے، "قرآن حکیم" کی روشنی میں اُنہوں نے انہیں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی تھی، "رسول کریمؐ" کی سیرت پاک نے انہیں زندگی کی صداقتوں اور حقیقتوں کو سمجھنے کا ادراک عطا کیا تھا، صوفیوں اور بزرگوں کے خیالات اور افکار سے بھی وہ باخبر تھے، مولانا روم اور الغزالی کے خیالات اور تصوّرات پر بھی اُن کی گہری نظر تھی، فلسفے سے گہری دلچسپی کی وجہ سے انہوں نے "یونانی" اور "جرمن" اور جدید

فلسفوں کو اسلامی افکار و خیالات کے پس منظر میں دیکھا تھا۔ "نو افلاطونی" — خیالات کے جو اثرات مسلمان مفکّروں پر ہوئے تھے وہ اُن سے بھی بے خبر نہ تھے "مردِ مومن" یا "مردِ کامل" اور کائنات کی تسخیر وغیرہ کے مسائل مسلمان مفکّروں کے سامنے بھی تھے۔ الغزالی، ابن عربی، رومی اور ابن سینا وغیرہ کے ہاں اُنہوں نے ان موضوعات پر فکر انگیز خیالات کو پایا تھا، مولانا روم کی مثنوی میں "مردِ کامل" کا معانی خیز پیکر اُبھر چکا تھا جس پر وہ عاشق تھے،

—— اقبال کے تجزیاتی ذہن نے برسوں اپنے طور پر اُن کا تجزیہ بھی کیا اور ان سے روشنی بھی حاصل کی، اُن کے تصورِ حُسن و عشق کے پسِ منظر میں ان تمام سچّائیوں کو یقیناً بڑی اہمیت حاصل ہے۔ "خودی" اور 'فرد' کی تخلیقی صلاحیتوں پر اُن کے زبردست اعتماد کے پیچھے یہ سچّائیاں بھی موجود ہیں، مغربی

افکار و خیالات اور مشرقی تصورات کی بہتر روایات اور اپنے گرد پیش کی اقدار سے غالب کے بعد اقبال سے زیادہ کسی اور نے فیض حاصل نہیں کیا اور ایک بڑے شاعر کی یہ ایک بڑی پہچان ہے

حُسن کی دریافت اور پہچان کے لئے اقبال نے ایک بڑا سفر کیا ہے، اُن کے وسیع مطالعے کے ساتھ اُن کی مذہبی حیثیت نے بھی نمایاں حصّہ لیا ہے، یورپ کے تجربوں اور "قرآن حکیم، اسلام کی تاریخ اور سیرت رسولؐ کے مطالعے سے اُن کے "ہیومنزم" کا تصوّر اور پختہ ہو جاتا ہے۔ تجلّی زارِ حسن جو سینۂ شاعر ہے، وہ حُسن جو فطرت اور کائنات میں ہے اور وہ حُسن جو خالقِ کائنات ہے یہ سب ایک وحدت کی صورت محسوس ہونے لگتے ہیں۔ فرد کی شخصیت کے جمالیاتی اظہار اور فنکار کے

تجربوں کے جمالیاتی اظہار میں حُسن کے یہی پہلو نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں، فنونِ لطیفہ یا شاعری کے متعلق اُن کے خیالات، حُسن کی اس وحدت کے پس منظر میں اُن کی "ہیومنزم" کو جمالیاتی قدر کی صورت میں اُبھارتے ہیں، مثلاً:

- تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و باغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

- آیا کہاں سے نالۂ نے یں سر درے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے نہ چوب نے

عشق دمستی کا جنازہ ہے تخیل اُن کا
ان کے اندیشہ تاریک ہیں قوموں کا مزار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں رُوح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

جس دل سے دریا متلاطم نہیں ہوتا
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا!

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے
یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ اسرافیل

●

سینۂ شاعر تجلّی زارِ حُسن
خیز د از سینائے او انوارِ حُسن
از نگاہش خوب گردد خوب تر
فطرت از افسونِ او محبوب تر

"فرد" اور تخلیقی فنکار حُسن کی وحدت کی علامت بن جاتا ہے۔ زندگی اور تہذیب کے بہتر تجربوں کا وارث اور امین! اُس کی "خودی" تمام جلوؤں کا مرکز ہے۔ اقبال نے اپنے جمالیاتی تجربوں کے سفر میں یہ محسوس کیا کہ عشق ہی حُسن کا خالق ہے اور اردو شاعری میں یہ دریافت ایک غیر معمولی دریافت ہے اور اس کے بعد کے تمام شعری تجربے غیر معمولی تجربے ہیں، اقبال نے اس سچّائی کو بڑی شدّت سے محسوس کیا ہے اور ۱۹۲۰ء کے بعد اُن کی شاعری کے جانے کتنے شعری تجربے اس کی عمدہ مثال ہیں: "خودی" "حُسن

کو خلق کرتی ہے، حقیقت کا جوہر حُسن نہیں بلکہ عشق ہے، اب حُسن کی وحدت کے اندر عشق کی وحدت پیدا ہوتی ہے، خالق، انسان اور کائنات کے ہر ذرّہ میں عشق جاری و ساری ہے اور اِسی عشق سے حُسن کی وحدت قائم ہے، "نو افلاطونی" تصوّر سے اتنا خوبصورت گریز کسی اور فنکار کے ہاں نہیں ملتا۔

●

• اقبالؔ کی جمالیات میں "عشق" کی بنیاد پر حُسن کی کائنات سجتی ہے اور 'عشق' اور 'حسن' کی جذبی کیفیت ایک دلفریب جلوہ بن جاتی ہے، اِسی طرح فنونِ لطیفہ کے جمالیاتی تصوّر میں "عشق" زندگی کی زبردست قوّت یا LIFE FORCE بن کر جذب ہوتا ہے اور "ہیومنزم" کی جمالیاتی قدر اور تابناک بن جاتی ہے۔

عشق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعرے گردد چو سوز از دل گرفت

اور

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے نہ چوب نے

یہ آوازیں زیادہ تیز ہو جاتی ہیں اور اُردو شاعری میں فنونِ لطیفہ کا ایک تازہ جمالیاتی تصور اپنی تابناکی کے ساتھ روشن ہوتا ہے۔

"عشق" کے تازہ احساس کے ساتھ ہی "اقبال کی جمالیات" زیادہ پر کشش اور پر وقار بن جاتی ہے، حُسن، نگاہ، نظر، جنون، شوق وغیرہ کے تصورات میں نئی تازگی آجاتی ہے، یہ سب 'عشق' کے وسیع تر دائرے ہی میں اپنی روشنیوں کے ساتھ گردش کرتے نظر آتے ہیں، فنونِ لطیفہ کی جمالیاتی اقدار کے تصوّر میں بڑی کشادگی اور بڑی گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ "ہیومنزم" کی جمالیاتی قدر زیادہ مسحور کرنے لگتی

ہے؛ مسرت، انبساط، استعجاب، حیرت اور تحیّر، جذباتی اور نفسیاتی آسودگی، اور کرب انگیز حسیّت وغیرہ مقاصد بن کر فنونِ لطیفہ کے تصوّر کو تہہ داری بخشتی ہیں؛ ساتھ ہی یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ "عشق" کی مستی، گرمی اور روشنی کی وجہ سے لفظوں کی ایمائی اور سحر کارانہ قوّت بڑھ گئی ہے۔

فنکار کبھی اس طرح سے سوچتا ہے:

ارتباطِ حرف و معنی اختلاطِ جان و تن
جس طرح اخگر قبا پوش اپنی خاکستر سے ہے!

اور کبھی عشق کے تجربوں کے معانی خیز تیز بہاؤ سے لطیف اور لطیف تر تجربوں کا مکمّل اظہار نہیں ہو پاتا اور مضطرب فنکار یہ سوچتا ہے کہ ایسے تجربوں کو پیش کرنے کے لئے لفظوں میں قوّت نہیں ہے، موسیقی کی لہریں ان تجربوں کو پیش کر سکتی ہیں:

نگاہ می رسد از نغمۂ دل افروزے
بہ معنیٔ کہ بروجامۂ سخن تنگ است

اقبالؔ کے اِس " ذہن " کا گہرا رشتہ مذہب اور خصوصاً اسلامی افکار و خیالات اور قرآنِ حکیم کی وسیع تر، گہری اور تہہ دار جمالیات سے ہے۔ اُن کے فلسفیانہ اور دانشورانہ تجزیاتی ذہن نے مذہب کی سچّائیوں اور خصوصاً اسلام اور قرآنِ حکیم کی معنویت سے ایک بڑا معانی خیز رشتہ قائم کیا تھا۔ اُن کی رُومانیت کی بے قراری اسلامی تہذیب و تمدّن کی تاریخ سے حد درجہ بڑھی ہے، اُن کی " مثالیت پسندی " اور تصوّریت کو مسلمانوں کے ماضی نے جلا بخشی ہے، اُن کی " ہیومنزم " کے تصوریں قرآن حکیم کی روشنی اور رسولِ کریمؐ کی سیرت پاک سے بڑی کشادگی پیدا ہوئی ہے؛ اور یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انسانی اقدار پر اُن کا

اعتماد مستحکم ہوا ہے، جلال و جمال، حُسن
و زیبائی، نگاہ اور نظر، عشق اور جنون، خودی
اور رُوح کی قوّت کے متعلق اُن کے تصوّرات
زیادہ پرکشش بنے ہیں، مذہب کے متعلق
اُن کا یہ خیال قابلِ غور ہے کہ مذہب صرف
خیال یا احساس یا عمل کا نام نہیں ہے بلکہ
یہ "پورے انسان" کا اظہار ہے۔ اپنے
وسیع مطالعے سے اُنہوں نے اس سچّائی
کو پا لیا تھا کہ "خیال" اور 'وجدان' ایک
دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ دونوں ایک
ہی جڑ سے پھوٹے ہیں اور دونوں ایک
دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، فرق صرف یہ
ہے کہ 'خیال' ــ 'حقیقت' کو ریزہ ریزہ
چنتا ہے اور "وجدان" تمام حقیقتوں کو
ایک ساتھ جذب کر لیتا ہے، اس
طرح "عقل" وجدان کی کم تر صورت ہے
اور "وجدان" عقل کی عظیم تر صورت،
ایک کا تصوّر، دوسرے کے بغیر پیدا
نہیں ہو سکتا! فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کا

وجدانی اظہار در اصل سچائیوں اور حقیقتوں کے 'WHOLNESS' کے ادراک اور شدید تر احساس کا اظہار ہے۔ ایک بڑے تخلیقی فنکار کی طرح اُنہوں نے جب کائنات کی تخلیق پر نظر ڈالی تو قرآن حکیم کی روشنی میں اِس پُراسرار سچّائی کو سمجھا کہ کائنات کی تخلیق کوئی کھیل نہیں ہے اس کا سنجیدہ انجام بھی ہوگا، یہ ٹھہری ہوئی اور رُکی ہوئی نہیں ہے، اِس کی تخلیق کا کام جاری ہے، اس کی توسیع ہوتی جارہی ہے، اندر، گہرائیوں میں، ہر لمحہ، نئی تخلیق کا خواب کسمساتا رہتا ہے، یہ بڑا غیر معمولی ادراک ہے جو مذہب کے گہرے مطالعے سے حاصل ہوا ہے۔ اُن کی تخلیقات میں یہ ادراک متحرک بامعانی جذبہ بنا ہے۔ ان سچائیوں کی وجہ سے اُن کی 'رومانیت' میں تہہ داری آئی ہے اور اُن کی تصوّریت میں قوس و قزح کے رنگ شامل ہوئے ہیں۔ کائنات کے ساتھ فرد کی تخلیقی قوّت

کا احساس بھی، جو اس سرچشمہ سے
بھی گہرا رشتہ رکھتا ہے، اُن کے شعری تجربوں
کی روشنی بنا ہے۔ یہاں اس کا موقعہ نہیں
ہے کہ مذہبی تجربوں پر گفتگو کی جائے جن
سے اُن کے شعری تجربے روشن بنے ہیں،
مقصد صرف اس بڑی سچّائی کی طرف
اشارہ ہے، قرآنِ حکیم نے کائنات،
انسان، خالقِ کائنات، زندگی اور موت
کے متعلق انہیں گہری روشنی عطا کی ہے
اور اُن کی بصیرت کو جلا بخشی ہے۔ اُن
کے "ہیومنزم" کے تصوّر میں جو کشادگی اور
گہرائی آئی ہے اس کا سب سے بڑا محرّک
مطالعۂ قرآن ہے۔ اُن کی "مثالیت پسندی"
اور "رومانی تصوّریت" میں "تاریخ اسلام"
اور مطالعہ اسلام سے وہ تازگی آئی ہے،
جس کی مثال اُردو ادب کی تاریخ میں کہیں اور
نہیں ملتی۔ ان باتوں کے ساتھ اس سچّائی پر
بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ جلال و جمال
کے شدید تر نئے احساس اور حسنِ حرکت

اور بلندی اور روشنی کے "آرچ ٹائپ" کی اٹھان میں اس مطالعے نے سب سے زیادہ حصّہ لیا ہے۔

اقبال کی شاعری میں "مذہبی حسیت" کا مطالعہ ادبی اور فنّی نقطۂ نظر سے ابھی نہیں ہوا ہے، میرے نزدیک "اقبالیات" کا یہ ایک مستقل موضوع ہے جس کی طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے، اقبال کے آرٹ، فنونِ لطیفہ کے متعلق اُن کے جمالیاتی تصوّر اور "اقبالیات" کے جلال وجمال کا مطالعہ اُس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک کہ اُن کی اُس مذہبی حسیت کا تجزیہ نہ کیا جائے جس کا سرچشمہ اسلام اور قرآن ہے۔

عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اُن کے فنونِ لطیفہ کے جمالیاتی تصوّر میں تاریخ اسلام، رسولِ پاکؐ کی سیرت اور قرآنِ حکیم کے

مطالعے سے ایک طرف "ہیومنزم" کے تصوّر میں کشادگی پیدا ہوئی ہے اور دوسری طرف جلال و جمال اور عشق کے تصوّرات میں آفاقیت پیدا ہوئی ہے، عشق کے تصوّر نے اُن کے آرٹ میں اس قسم کے جلوے دکھائے ہیں:

تب و تابِ فطرتِ ما زنیازمندیٔ ما
تو خدائے بے نیازی ترسی بسوز و سازم

•

ہم عاشق ہیں، نیازمند ہیں اس لئے عشق کی صفت ہم میں موجود ہے، فطرت کی بے تابی، باطن کا اضطراب، سوز و گداز، یہ سب ہم میں ہے، تو بے نیاز ہے خدائے برتر، عشق کا یہ جوہر تجھ میں نہیں ہے، تو عاشق نہیں ہے اِس لئے تو اِس جوہر سے محروم ہے، بھلا یہ کرب، یہ اضطراب، یہ نیازمندی، یہ سوز و گداز تجھ میں کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟ یہ تو عشق کی نعمتیں ہیں! عشق سے دردیشی

اور فقیری میں غیر محدودیت کی صفت
پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس کے نزدیک
یہ پھیلی ہوئی کائنات مختصر ہو جاتی ہے،
بہت چھوٹی، وہ تو اپنی غیر محدودیت کی وجہ سے
دو جہان میں بھی نہیں سما سکتا

چہ عجب اگر دو سلطان بہ ولائتے نہ گنجد
عجب ایں کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے!

اِس 'عشق' اور سوز و گداز کی جو دھوم
"زبورِ عجم" میں مچی ہے اور اقبال کے مختلف
تجربوں کے اظہار کا اظہار بن کر اِس
عشق اور سوز و گداز نے طرح طرح کے
پھول سجائے ہیں اُن کی مثال نہیں ملتی، 'عشق'
باطنی کیفیات اور تخلیقی جوہر کی علامت ہے۔
"فنونِ لطیفہ" کی تخلیق میں اقبال نے اسے
سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

اقبالؔ کے پاس وسیع تر اور گہرے "وژن" کے پیشِ نظر اگر ہم شاعری، فنِ تعمیر، موسیقی اور مصوری وغیرہ کے متعلق اُن کے احساسات کو دیکھیں تو فنونِ لطیفہ کے متعلق اُن کے جمالیاتی تصور کی وسعتوں اور گہرائیوں کا زیادہ ادراک حاصل ہو گا۔

"موسیقی" کے متعلق اُن کی اس آواز کو سُنیئے:۔

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نائے چنگ و رباب

•

اور ــــ

کھل تو جاتا ہے مغنی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود!

ہے ابھی سینۂ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود!
جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور بیدار ہو، ایازی سے مقامِ محمود!
مہ و انجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمۂ لاموجود!
جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہانِ خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود!

اقبال موسیقی کی کن آوازوں اور کیسی لہروں کے منتظر ہیں، محسوس کیا جا سکتا ہے! زندگی کی حرارت، آواز کی ایسی گرمی جس سے ستاروں کا وجود پگھل جائے، آوازوں کی دل کی لہروں کی ایسی تاثیر جس سے انسان خوف اور غم سے آزاد ہو، اور ایسا زمزمۂ لاموجود جس کے سامنے مہ و انجم کا حیرت کدہ باقی نہ رہے یعنی موسیقی کی آوازوں کے حیرت کدہ کے سامنے کائنات کا کوئی جلوہ اہمیت

نہ رکھے ـــــ عشق، جنون، نگاہِ شوق، باطنی طپش، آزادی کے بہتر احساس اور رُوح کی قوّت ہی سے ایسا نغمہ جنم لے سکتا ہے ایسی موسیقی پیدا ہو سکتی ہے، اُن کا خیال ہے کہ جس روز مغنّی یہ رمز سمجھ گیا، تمام مرحلہ ہائے ہُنر طے ہو جائیں گے۔ کہتے ہیں:

شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا!

•

وہ اُس صدف اور اُس گوہر کو اہمیت ہی نہیں دیتے جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا، دل ہی ان تمام احساسات کا مرکز ہے۔ "چوبِ نے" کی اہمیت نہیں ہے، اہمیت ہے تو "نے نواز" کے دل کی ہے:۔

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرُور مے
اصل اس کی "نے نواز" کا دل ہے کہ چوبِ نے!

•

اپنی نظم " موسیقی" میں فرماتے ہیں :

وہ نغمہ سردیٔ خونِ غزل سرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے ترا چہرہ تابناک نہیں
نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں
پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبانِ لالہ چاک نہیں!

•

" موسیقی تو فنکار کی روح کی قوت ہے"
ایسی باطنی طپش ہے جس کی لہریں چہرے
کو تابناک اور پورے وجود کو پاکیزہ
بنا دیتی ہیں ، اگر ضمیر یا باطن پاکیزہ
نہیں ہے ، باطن میں طپش نہیں ہے ، روح میں
تڑپ نہیں ہے اور مغنی یا فنکار میں اپنی آزادی
کا بہتر احساس نہیں ہے تو موسیقی جان پرور

نہیں ہو سکتی، دل میں تلاطم پیدا نہیں کر سکتی، یہ تو فنکار کا دل ہے جو موسیقی کی لہروں کے پیچھے ایسا صدف یا گوہر بن جاتا ہے جس سے سُننے والوں کے وجود میں ہلچل سی پیدا ہو جاتی ہے۔

اقبالؔ نے ایک جگہ تحریر کیا ہے :-

"حیات تمام انسانی اعمال کا منتہائے مقصود ہے، انسانی اعمال کا مقصد صرف یہ ہے کہ اُس کی زندگی شاندار، مؤثر اور افزوں ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جملہ انسانی آرٹ کو اسی مقصد عظمیٰ کے ماتحت رکھا جائے اور جو شئے زندگی کو جس قدر فراوانی عطا کرے اسی قدر اعلیٰ اور اشرف خیال کیا جائے، بلند ترین آرٹ وہ ہے جو ہمارے اندر

خفتہ قوّتِ ارادی کو بیدار کردے
تاکہ ہم زندگی کی مشکلات کا کامیابی
کے ساتھ مقابلہ کرسکیں "

آگے لکھتے ہیں:

" وہ تمام تر علوم و فنون، جو
خواب آور ہیں؛ جو ہمیں اُن حقائق
گرد و پیش سے غافل کردیں، جن
کے حصول پر زندگی کا انحصار ہے،
وہ دراصل بربادی اور موت کا پیغام
ہے، آرٹ وہ ہے جو ہمارے اندر
بیداری کی رُوح پھونکے "

اِس خیال کے پیشِ نظر اُن کی تخلیقات
مثلاً ــــ

مسجدِ قرطبہ، اہرامِ مصر، "سرور" "تباثر"
"تخلیق"، "ادبیات"، "اہلِ ہنر سے"، "فنونِ لطیفہ"

"جدت" "جلال و جمال" "مقصود" "سرودِ حلال"
"سرودِ حرام" "شاعر" "شعرِ عجم" "ہنروران
ہند" "ایجاد و معانی" "موسیقی" "ذوقِ نظر"
"شعر" "رقص و موسیقی" اور "رقص" وغیرہ
پڑھی جائیں تو ان کی معنویت اور واضح ہو جائے گی

●

• اقبالؔ دوسرے فنون کی طرح "موسیقی" کو بھی باطن کی بیداری کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں، اُن کے اشعار میں "موسیقی" کے متعلق جو احساسات ملتے ہیں وہ سب اِسی بنیادی فکر کے تابع ہیں۔

"موسیقی" کے متعلق اقبالؔ کے خیالات کی شاعرانہ وضاحت "زبورِ عجم" کے "بندگی نامہ" سے ہوتی ہے ——— !

"دربیانِ فنونِ لطیفۂ غلامان" میں اُنہوں نے "موسیقی" کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے۔ اِس نظم سے اُن کے اِس کرب کی پہچان ہوتی ہے کہ مجموعی طور پر وہ "فنونِ لطیفہ" میں زندگی کی حرارت دیکھنا چاہتے ہیں اور "موسیقی" میں نغمے کی حرارت چاہتے ہیں، باطن میں روشنی نہ ہو تو 'موسیقی' کا اثر نہیں ہو سکتا۔ باطن کی روشنی، اچھی اور اعلیٰ موسیقی کی شرط ہے، اسی طرح سوز و گداز سے خالی 'موسیقی'، موسیقی نہیں ہے، غلاموں کی موسیقی سے رنج و غم، ماتم اور آہ و فریاد کی لہریں اُٹھتی ہیں۔ وہ ایسی موسیقی کے قائل ہیں جس میں نغمۂ موت نہ ہو، نغمۂ زندگی ہو، چونکہ غلاموں کی موسیقی میں فنا کر دینے والا غم نہیں ہوتا جس میں ساری دُنیا کے ہنگامے پوشیدہ ہیں، اُس غم کو پیدا کرنا ضروری ہے جو انسان کو غیر محدود بنا دیتا ہے۔ علّامہ نے ان سچائیوں کو اِس نظم میں خوبصورت استعاروں،

اشاروں اور علامتوں سے اُجاگر کیا ہے، اس درد کو محسوس کیا جا سکتا ہے کہ غلاموں کے فنونِ لطیفہ میں عموماً موت کی پرچھائیاں ہوتی ہیں، غلامانہ زندگی کے کتنے فریبوں اور افسونوں کا ذکر کروں :-

مرگ ہا اندر فنونِ بندگی
من چہ گویم از فسونِ زندگی!

•

کہتے ہیں کہ ایک غلام کے نغمے زندگی کی آگ سے خالی ہوتے ہیں بلکہ یہ نغمے ایسے سیلاب کی مانند ہیں جس سے زندگی کی دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں :

نغمۂ اُو خالی از نارِ حیات
ہمچو سیل افتد بدیوارِ حیات!

•

ایک غلام کا ما تھا بھی اُس کے دل کی طرح تاریک ہوتا ہے، اس کی الاپ بھی اس کے مزاج کی طرح پست ہوتی ہے:

چوں دلِ او تیرہ سیمائے غلام
پست چوں طبعش نوا ہائے غلام!

•

اُس کے دل سے جذبات کی مردنی کی وجہ سے سوزِ دروں کی آگ ہی نہیں بجھتی بلکہ اس کا دل ذوقِ فردا اور لذّتِ امروز سے بھی محروم ہو جاتا ہے:

از دلِ افسردۂ او سوز رفت
ذوقِ فردا لذّتِ امروز رفت

•

غلام قوم کی بانسری بجائے خود اس کی زوال آمادہ باتیں بیان کرتی ہیں، اُس کے

ساز میں ایک شہر کی موت ہے

از نئے اُو آشکارا رازِ اُو
مرگِ یک شہر ست اندر سازِ اُو

•

غلاموں کے ساز سے انسان آسانی سے ناتواں نابکار بن سکتا ہے کیونکہ اِس کی مُردہ تانیں فوراً ہی زندگی سے بیزار کر دیتی ہیں:

ناتوان و زار می سازد ترا
از جہاں بیزار می سازد ترا

•

اُس کا نغمہ موت کا نغمہ ہے اور اُس کی آواز کے پردے میں فنا کا پیغام پوشیدہ ہے، تم پیاسے ہو اس لئے تمہیں دھوکا ہو سکتا ہے لیکن خبردار اس ریگستان

میں کوئی زمزم نہیں، غلاموں کی موسیقی کے
زیر و بم میں موت چھپی بیٹھی ہے:

الحذر ایں نغمۂ موت است و بس
نیستی در کسوتِ صوت است و بس
تشنہ کامی ہا ایں حرم بے زمزم است
در بم و زیرش ہلاکِ آدم است!

●

علامہ کی آواز آہستہ آہستہ اُوپر اُٹھتی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ موسیقی تو انسان کے دل سے سوز چھین لیتی ہے اور سوز کے بدلے میں وہ غم دیتی ہے جو جامِ جم میں زہر ملانے کے مترادف ہے:

سوزِ دل از دل برد غم می دہد
زہر اندر ساغرِ جم می دہد

●

اس کے بعد اقبال نے موسیقی اور نغمے کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ نغمہ ایسا چاہیئے جو جنون کی پرورش کرے، وہ ایک ایسی آگ ہو جو گانے والے کے لہو میں شامل ہو کر رواں ہو اسی قسم کے نغمے سے دل میں ایک شعلے کی پرورش ہو سکتی ہے اور خاموشی کو بھی اس کا حصہ بنایا جا سکتا ہے، موسیقی اور نغمے پر سوچتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ موسیقی میں ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خموشی گفتگو بن جاتی ہے اور بغیر آواز کے نغمہ ادا ہوتا ہے:

نغمہ باید تند رو مانندِ سیل
تا برد از دل غماں را خیل خیل
نغمہ می باید جنوں پروردۂ
آتشے در خونِ دل حل کردۂ
از نمِ او شعلہ پروردن تواں
خامشی را جزو او کردن تواں

می شناسی؟ در سرود است آں مقام
"کاندرو بے حرف" می روید کلام "

•

میں یہ نہیں جانتا کہ ایسے نغمے کی بنیاد کس بات پر ہے، البتّہ اتنا جانتا ہوں کہ اُس کی ایک ٹھوس شکل وجود رکھتی ہے اور ہم اُس کے وجود سے آشنا ہیں،

اصل معنی را ندانم از کجاست
صورتش پیدا و با ما آشناست

•

علامہ "موسیقی" میں "معنویت" کے قائل ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ اگر نغمے میں 'معنی' نہیں تو اس کا سوز بجھی ہوئی راکھ کے سوز سے مماثلت رکھتا ہے۔ 'معنی' وہ ہے جو اپنی طرف بے اختیار کھینچ لے اور تمام ظاہری نقوش سے بے نیاز کردے!

اقبال سے قبل فنونِ لطیفہ اور خصوصاً "موسیقی"
کے متعلق اس قسم کے احساسات —
ہندوستان کے اُردو اور فارسی شعراء
کے ہاں نہیں ملتے، یہ قیمتی تجربے ہیں، اقبال
ایک ہمہ گیر ترقی پسند نظریئے کے ساتھ
سامنے آتے ہیں۔

●

• اقبال نے اپنی بنیادی فکر اور اپنے بنیادی خیالات کے پیشِ نظر "مصوری" کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے، یہاں بھی "ہیومنزم" "عشق" اور "جنون" کے تصورات اسی طرح موجود ہیں، یہاں بھی تن آسانی اور خود فراموشی اور موت کے سکوت کے خلاف ہیں۔ مصوری اور زندگی کا رشتہ گہرا اور بامعانی دیکھنا چاہتے ہیں۔ رُوح کی قوت، اعلیٰ اخلاق، احساسِ خودداری اور آزادی کو اس آرٹ کے لئے بھی

ضروری سمجھتے ہیں۔

مجھ کو یہ غم ہے کہ اس دور کے بہزاد
کھو بیٹھے ہیں مشرق کے سر ورادل بھی

●

شاعر کا غم یہ ہے کہ مشرق کی "مصوری" کے جلووں سے فنکار دُور ہو گئے ہیں مشرق کی تاریخ کے باطن میں فنکاروں کا جو جنون ہے اس سے مصوّر اپنا با معانی رشتہ قائم نہیں کرتے۔ اقبال رگِ تخیل کے مخالف ہیں اس لئے وہ "یورپ" کی نقالی کی شدید مخالفت کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ مشرق کے مصوّر اپنی اعلیٰ روایات اور اپنے باطن کے سوز اور اپنے جنون اور اپنے عشق سے کام لے کر ہمیشہ زندہ رہنے والی تخلیقات پیش کریں، اِس آرٹ کے لئے بھی اُس نگاہِ شوق اور اُس عشق کی ضرورت ہے جو دوسرے

فنون کے لئے ضروری ہیں۔ اُن کی نظر فنِ مصوری میں ابراہیم اور آذر کو تلاش کرتی ہیں۔

"بندگی نامہ" میں غلاموں کی مصوری پر اپنے بے چین احساسات کو پیش کرتے ہوئے مصوری کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کو بہت واضح کر دیا ہے۔ یہ نظم اس لحاظ سے بھی قابلِ قدر ہے کہ اس میں اقبال نے ایک مصور کی طرح تصویریں بنائی ہیں اور اِن تصویروں سے اُن کے زاویۂ نگاہ کی خوبصورت اشارتی وضاحت ہوتی ہے، اِس نظم میں شاعر مختلف تصویروں کو دیکھتا ہے اور ہم اُن تصویروں سے اُس کے احساس اور جذبے کو سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے فن مصوری کا جائزہ لیا، اس میں مجھے کوئی ابراہیم نظر آیا اور نہ کوئی آذر، البتہ میں نے دیکھا کہ ایک راہب مایا جال میں پھنسا ہوا ہے اور دیکھا کہ ایک دلبر بھی اپنے پرند سے کے ساتھ

قفس میں بند ہے ، ایک بادشاہ کو ایک خرقہ پوش فقیر کے سامنے کھڑا دیکھا اور ایک پہاڑی نوجوان کو لکڑی کا گٹھا کاندھے پر لئے دیکھا :

ہمچناں دیدم فنِ صورت گری
نے براہیمی درو نے آذری
راہبے در حلقۂ دامِ ہوس
دلبرے با طائرے اندر قفس
خسروے پیشِ فقیرے خرقہ پوش
مردِ کوہستانیٔ ہیزم بدوش

•

اور اس طرح کئی تصویریں پیش کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ بے یقینی سے مصوری جنم نہیں لے سکتی ، " خودی " سے دور رہ کر اچھے فن کو خلق نہیں کیا جا سکتا ، فطرت سے بھیک مانگ کر حسن حاصل نہیں کیا جا سکتا ، حسن کو اپنی شخصیت سے باہر تلاش

کرنا غلطی ہے، جب مصوّر یا نقش گر خود کو فطرت کے حوالے کر دیتا ہے تو فطرت کے نقش کو بھی مسخ کر دیتا ہے۔ وہ فطرت کو اس کے سات رنگوں سے باہر نہیں نکال سکتا، سوز و تپش سے محرومی اس کی اصل وجہ ہے۔ مصوّری تو وہ ہے جس میں کل کا عکس موجود، فکر کی ناداری کی وجہ سے مصوّر فطرت کے حُسن میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ مصوّر تو وہ ہے جس کے سمندر کی طرف ہماری ندی سر کے بَل آگے بڑھے اور خراج پیش کرے:

بے یقیں را لذّتِ تحقیق نیست
بے یقیں را قوّتِ تخلیق نیست
بے یقیں را عشہ ہا اندر دل است
نقشِ نو آوردن اورا مشکل است
از خودی دور است و رنجور است و بس
رہبرِ او ذوقِ جمہور است و بس

حُسن را در یوزہ از فطرت کند
رہزن و راہِ تہی دستے زند
حسن را از خود بروں جستن خطا ست
آنچہ می بائست و پیشِ ما کجاست؟
نقش گر خود را چہ با فطرت سپرد
نقشِ او افگند و نقشِ خود ستُرد
یک زماں از خویشتن رنگے نزد
بر زجاجِ ما گہے سنگے نزد
فطرت اندر طیلسانِ ہفت رنگ
ماندہ بر قرطاسِ او با پائے لنگ
بے تپش پروانۂ کم سوزِ او
عکسِ فردا نیست در امروزِ او

•

اقبال کے نزدیک مصوّر وہ ہے جو دنیا کے چہرے سے گرد ہٹاتا ہے اور ہر نگار جس کے ہاتھ سے اپنے معیار تک پہنچتا ہے۔ بڑے مصوّر کی تخلیقات

کو وہ حورِ جنّت سے بہتر سمجھتے ہیں، مصوّری میں نئی کیفیات اور نئی کائنات دیکھنا چاہتے ہیں۔ رنگوں کے سیلاب کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو جیسے تصویروں کی لہریں موتی اُگل رہی ہیں، مصوّر کا ایک پہلو ابراہیمی ہے تو دوسرا آذری! وہ بت گر بھی ہے اور بت شکن بھی، وہ ہر پُرانی دیوار کو توڑ دیتا ہے اور موجودات میں نئی رُوح پھونکتا ہے!

اقبال کے جذباتی پیکروں کے پیچھے اُن کے بنیادی تصوّرات متحرک ہیں، اُن کی بنیادی فکر کے جھکاؤ سے اُن کے بنیادی تصوّرات کی پہچان مشکل نہیں ہوتی 'شاعری' 'موسیقی'، 'مصوّری'، اور 'فنِ تعمیر' وغیرہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے انہوں نے اپنے پورے عہد کے غیر معمولی ادراک کو بہت حد تک محسوس بنا دیا ہے، ردوقبول

کا ذہنی عمل بھی شدت سے متاثر کرتا ہے،
خارجی تجربوں کو باطن میں جذب کرنے اور
اُنہیں باطنی کیفیتوں اور رنگوں کے ساتھ
نئی تخلیق کی صورتوں میں پیش کرنے کا فنکارانہ
عمل بھی اپنی غیر معمولی شدت سے متاثر
کرتا ہے۔

• "درفنِ تعمیر مردانِ آزار" میں اقبال کا نقطۂ نظر اور واضح ہو جاتا ہے، اُن کی نگاہیں عمارتوں میں اُن کی شخصیتوں کو محسوس کرتی ہیں جنہوں نے ان عمارتوں کی تعمیر کے خواب دیکھے تھے۔ اُن کے کردار کی خوبیاں پتھر دل میں جذب ہیں۔ اسلاف کی تعمیر کی ہوئی عمارتوں کو دیکھتے ہوئے یہ محسوس ہوگا کہ عہد، وقت یا زمانہ ستونوں میں جم کر رہ گیا ہے۔ اِن عمارتوں کا مزاج، اُن کی روحانی

کیفیت اور اُن کی شخصیتیں دوسرے فنکاروں کے اندر اضطراب پیدا کر دیتی ہیں۔ آزاد شخصیتوں کا عشق عمارتوں کا جلال اور جمال ہے، تخلیقی صلاحیتوں کا ایسا اظہار عشق اور سوز و گداز کی وجہ سے ہوا ہے اور اس طرح ہوا ہے کہ یہ عمارتیں زمان و مکان کی حدود سے بالاتر بن گئی ہیں' اقبال نے اس نظم میں عشق کو تخلیق کا جوہر بنا کر پیش کیا ہے، 'عشق' ہی پر زندگی اور تخلیق کی بنیاد قائم ہے :-

عشق صیقل می زند فرہنگ را
جوہر آئینہ بخشد سنگ را!

"تاج محل" کو دیکھتے ہیں تو انہیں محسوس ہوتا ہے کہ عشق نے سنگِ مرمر پہ اپنی داستان لکھ دی ہے۔ یہ آزاد عشق کا عظیم کارنامہ ہے، عشق آزاد رہتا ہے تو اس کا تقدس بھی

قائم رہتا ہے اور اس کے رنگوں کی جانے کتنی جہتیں بھی نظر آتی ہیں، 'تاج محل' — سنگِ مرمر سے اُبلتا ہوا ایک نغمہ ہے، عشق کے تقدّس اور اس کے رنگوں کی مختلف جہتوں سے سنگِ خشت سے نغمہ پھوٹنے لگتا ہے:

- عشقِ مرداں پاک و رنگیں چوں بہشت
  می کشاید نغمہ ہا از سنگ و خشت!

اقبال نے فنکار کے عشق اور اُس کی آزادی اور اُس کے خونِ جگر کی اہمیت کا احساس طرح طرح سے دلایا ہے، اگر کوئی تخلیق، زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہوئی ہے اور وقت کے پنجوں کی گرفت میں نہیں آتی تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی تخلیق فنکار کے عشق، آزادی کے بہتر احساس اور اُس کے خونِ جگر سے ہوئی ہے۔

خوبصورت تخلیق، عشق، آزادی اور خونِ جگر کا نمونہ ہے، عشق ہی سے صدیوں پُرانی زندہ عمارتوں کے پتھر آئینہ بنے ہیں، پتھر کو آئینہ بنانے کا عمل، تخلیقی عمل ہے:

• عشق صیقل می زند فرہنگ را
جوہرِ آئینہ بخشد سنگ را

•

اقبال جلالی رجحان کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اُن کا یہ خیال ہے کہ جمال کے ساتھ جلال کا ہونا بھی ضروری ہے، حُسن، جلال و جمال کی آمیزش ہے، "مسجد قرطبہ" میں "خونِ جگر" خاکی اور نوری صفات اور تخلیق کے کرب اور شخصیت اور پورے وجود کے فنکارانہ اظہار کی معانی خیز علامت ہے۔

•

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و درد
نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خامِ خونِ جگر کے بغیر!

●

موسیقی ہو یا مصوّری، شاعری ہو یا فنِ تعمیر، فنکار کے خونِ جگر کی گردش ہی اسے زندہ رکھتی ہے!

"نئی جمالیات" اِس سچّائی کو اچھی طرح سمجھ رہی ہے کہ 'فنونِ لطیفہ' میں "ہیومنزم" کا مسئلہ فرسودہ نہیں ہوا ہے، انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشاندہی، اس کی خارجی صورت اور اُس کی داخلی اور باطنی زندگی کی جمالیاتی بازآفرینی ہوتی رہے گی،

بلاشبہ فنونِ لطیفہ کے متعلق اقبال کے خیالات
سے آرٹ کا ایک پُر وقار تصور جنم لیتا
ہے !!

●

فنونِ لطیفہ اور اقبال

(انتخاب)

نگاہِ شوق

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کہ ذرّہ ذرّہ میں ہے ذوقِ آشکارائی!

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں
نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی!

اِسی نگاہ میں ہے قاہری و جبّاری
اِسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی!

اسی نگاہ سے ہر ذرّہ کو جنوں میرا
سکھا رہا ہے رہ و رسمِ دشتِ پیمائی!

نگاہِ شوق میسّر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی!

نگاہ

بہار و قافلۂ لالہ ہائے صحرائی
شباب و مستی و ذوق و سرور و رعنائی

اندھیری رات میں یہ چشمکیں ستاروں کی
یہ بحر! یہ فلکِ نیلگوں کی پہنائی!

سفر عروسِ قمر کا عماریِ شب میں
طلوعِ مہر و سکوتِ سپہرِ مینائی!

نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی!

جدّت

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منوّر ہوں ترے نورِ سحر سے!

خورشید کرے کسبِ ضیا تیرے شرر سے
ظاہر تری تقدیر ہو سیمائے قمر سے!

دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے!

اغیار کے افکار و تخیّل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

•

جلال و جمال

مری نظر میں یہی ہے جمال و زیبائی
کہ سر بسجدہ ہیں قوّت کے سامنے افلاک!

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر
نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتشناک!

مجھے سزا کے لئے بھی نہیں قبول وہ آگ
کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند سرکش و بیباک!

●

تخلیق

جہانِ تازہ کی افکار سے تازہ ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا!

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا!

خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی خدائی کا رازداں پیدا!

فنونِ لطیفہ

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا!

جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا!
اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا!

شاعر کی نوا ہو کہ مغنّی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا!

بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!

۱۰ اپنے شعر سے

ہے گلہ مجھ کو تری لذّتِ پیدائی کا
تو ہوا فاش تو ہیں اب مرے اسرار بھی فاش!

شعلہ سے ٹوٹ کے مثلِ شرر آوارہ نہ رہ
کر کسی سینۂ پُر سوز میں خلوت کی تلاش!

ایجادِ معانی

ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے خداداد
کوشش سے کہاں مردِ ہنرمند ہے آزاد!

خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
میخانۂ حافظ ہو کہ بت خانۂ بہزاد

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد!

شاعر

مشرق کے نیستاں میں ہے محتاجِ نفس نے!
شاعر! ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے!

تاثیرِ غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم
اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے!

شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو
شمشیر کی مانند ہو تیزی میں تری لے!

ایسی کوئی دُنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت و جم و کے

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

●

اُمید

مجھے خبر نہیں یہ شاعری ہے یا کچھ اور
عطا ہوا ہے مجھے ذکر و فکر و جذب و سرور!

جبینِ بندۂ حق میں نمود ہے جس کی
اُسی جلال سے لبریز ہے ضمیرِ وجود!

یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں
کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضر و موجود!

غمیں نہ ہو کہ بہت دُور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود!

•

رقص و موسیقی

شعر سے روشن ہے جانِ جبرئیل و اہرمن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن

فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن
شعر گویا رُوحِ موسیقی ہے رقص اس کا بدن!

سرود

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نے

دل کیا ہے؟ اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے؟
کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تختِ کے؟

کیوں اس کی زندگی سے ہے اقوام میں حیات
کیوں اس کے واردات بدلتے ہیں پے بہ پے؟

کیا بات ہے کہ صاحبِ دل کی نگاہ میں
جچتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام درے؟

جس روز دل کی رمز مغنّی سمجھ گیا
سمجھو تمام رحلہ ہائے ہنر ہیں طے!

موسیقی

وہ نغمہ سردیٔ خونِ غزل سرا کی دلیل
کہ جس کو سُن کے ترا چہرہ تابناک نہیں

نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں!

پھرا میں مشرق و مغرب کے لالہ زاروں میں
کسی چمن میں گریبانِ لالہ چاک نہیں!

سرودِ جلال

کھُل تو جاتا ہے مغنّی کے بم و زیر سے دل
نہ رہا زندہ و پائندہ تو کیا دل کی کشود؟

ہے ابھی سینۂ افلاک میں پنہاں وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود!

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقامِ محمود!

مہ و انجم کا یہ حیرت کدہ باقی نہ رہے
تو رہے اور ترا زمزمۂ لاموجود!

جس کو مشروع سمجھتے ہیں فقیہانِ خودی
منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک وہ سرود!

سرودِ حرام

نہ میرے ذکر میں ہے صوفیوں کا سوز و سرور
نہ میرا فکر ہے پیمانۂ ثواب و عذاب

خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے
فقیہہ شہر کہ ہے محرمِ حدیث و کتاب

اگر نوا میں ہے پوشیدہ موت کا پیغام
حرام میری نگاہوں میں نالۂ چنگ و رباب!

مصوّر

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اِس دور کے بہزاد
کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرودِ ازلی بھی!

معلوم ہیں اے مردِ ہُنر تیرے کمالات
صنعت تجھے آتی ہے پُرانی بھی نئی بھی!

فطرت کو دکھایا ہے دیکھا بھی ہے تو نے
آئینۂ فطرت میں رکھا اپنی خودی بھی!

• اہرامِ مصر

اس دشتِ جگر تاب کی خاموش فضا میں
فطرت نے فقط ریت کے ٹیلے کئے تعمیر!

اہرام کی عظمت سے نگونسار ہیں افلاک
کس ہاتھ نے کھینچی ابدیت کی یہ تصویر!

فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو
صیّاد ہیں مردانِ ہنرمند کہ نخچیر؟

•

ختم شد"

مصنّف کی چند اہم کتابیں

• قصّہ میرے سفر کا (سوویت یونین کا سفرنامہ)	۲۰ روپے
• اقبال — روشنی کی جمالیات	۱۰ روپے
• غالب کی جمالیات	۱۵ روپے
• لاوے کا سمندر (اختر الایمان کی شاعری)	۱۰ روپے
• فیض احمد فیض کی شاعری	۲ روپے
• یہ باتیں ہماریاں (مرتبہ عصمت شکیل)	۵ روپے
• رگ وید اور اُپنشد کی روشنی	۱۰ روپے
• ادبی قدریں اور نفسیات	۱۲ روپے
• خواجہ غلام السیدین - اقدار کا تعلیمی تصوّر	۲ روپے
• غالب اور مغل جمالیات	(زیرِ طبع)
• حضرت امیر خسروؒ - ترک ہندی جمالیات	"
• پریم چند کے افسانوں میں کردار نگاری کا فن	"
• "شکیل الرحمٰن" (مرتبہ عصمت شکیل)	"

پبلشرز

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجرانِ کتب

ہیڈ آفس
گئو کدل چوک سری نگر
(کشمیر)

برانچ آفس
فتح کدل سری نگر
(کشمیر)

فون نمبر:- 72081